پاکستانی معاشرہ میں پسند کی شادی اور قتل غیرت: تحقیقی مطالعہ

Honor Killing In Pakistan :A Socio-legul Study

Gazi Abdurrehamn Qasmi*

Abstract

The introductory Part gives a side glance of what is honor Killing and which acts are considerer dishonorable by the society .An honor Killing or Shame Killing is the homicide of a Member of a Family by other Members due to refusing to enter in an arrange Marriage .The article discusses the legal Status of marriage Without the consent of Guardian and Legal Position of honor killing in Islam .

Keywords: Pakistani society, choice of marriage and Honor killing

اسلام انسانی اخلاق وعادات کی تہذیب کرتا ہے۔اور پاک وصاف معاشرے کے قیام کے لیے ایسے اقدامات کرتا ہے جس سے معاشرتی زندگی میں نکھار آجائے۔اسی سلسلہ میں شادی وبیاہ کے احکامات عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے مفصل پیش کیے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر جنسی خواہشات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پاکیزگی کی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔

آج کے دور میں پاکستانی معاشرہ میں جہاں شادی وبیاہ کے حوالے سے دیگر مسائل در پیش ہیں وہیں ایک مسئلہ ''پسند کی شادی'' کا ہے۔اوراس کے رد عمل کے طور پر ''قتل غیرت'' بھی سامنے آرہا ہے۔ان حالات میں چند سوالات توجہ طلب ہیں۔

کیا مرد عورت اپنی پسند سے شادی کر سکتے ہیں۔؟

اگر کسی عورت نے اپنے اولیاء اور بڑوں سے دور گھر سے بھاگ کر شادی کرلی تو اس کا کیا حکم ہے۔؟

کیا ایسے جوڑے کو غیرت کے نام پر قتل کیا جاسکتا ہے۔؟

زیر نظر مقالے میں انہی مسائل پر شرعی نقطہ نظر سے تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

نکاح کا مفہوم

مرد وعورت کے درمیان شرعی اصولوں پر کیا گیا معاہدہ جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق جائز اور پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہو جاتا ہے۔اور باہم حقوق وفرائض عائد ہو جاتے ہیں[1]

---

*Lecturer department of Islamic Studies, Government Wilayat Hussain Degree Collage. Multan

نکاح کی ضرورت واہمیت

نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں رہی جو نکاح سے خالی رہی ہو۔

علامہ حصکفیؒ (م۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

لَيْسَ لَنَا عِبَادَةٌ شُرِعَتْ مِنْ عَهْدِ آدَمَ إِلَى الْآنَ ثُمَّ تَسْتَمِرُّ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا النِّكَاحَ وَالْإِيمَانَ[2]

''کوئی عبادت ایسی نہیں جو حضرت آدمؑ کے زمانے سے لے کر آج تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی ہے سوائے نکاح اور ایمان کے۔''

علامہ ابن قدامہؒ (م۶۲۰۹ھ) نے تو نکاح کی مشروعیت پر اجماع نقل کیا ہے۔ چناچہ وہ لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ النِّكَاحَ مَشْرُوعٌ[3]

''اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نکاح مشروع ہے۔''

مرد کے لیے پسند کی شادی کا جواز

انسانی فطرت میں مخالف کی طرف قلبی جھکاؤ ودیعت رکھ دیا گیا ہے۔ ناجائز راستوں کا قلع قمع کرتے ہوئے اسلام نے مرد وعورت کے درمیان نکاح کا پاکیزہ رشتہ باقی رکھا، اور شادی وبیاہ کے معاملات میں ان کی رضا اور پسند کو بھی اہم قرار دیا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں

ارشاد ربانی ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً[4]

''تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو۔''

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

1- محمد امین الشامی، حاشیہ ابن عابدین،' (بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ)، جلد ۳۔ صفحہ ۳۔ الکاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت، دار الکتاب العرب، ۱۹۸۲)، ج۲، ص ۲۳۱

2- علاء الدین حصکفی، در مختار، (بیروت، دار الفکر، ۱۳۸۶ھ)، ج۳، ص ۲

3- عبداللہ بن احمد، ابن قدامہ، المغنی، (بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ)، ج۷، ص ۳۳۴

4- النساء۴ :۳

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا، فَلْيَفْعَلْ " قَالَ: " فَخَطَبْتُ جَارِيَةً مِنْ بَنِي سَلِمَةَ، فَكُنْتُ أَخْتَبِئُ لَهَا تَحْتَ الْكَرَبِ حَتَّى رَأَيْتُ مِنْهَا بَعْضَ مَا دَعَانِي إِلَى نِكَاحِهَا، فَتَزَوَّجْتُهَا[5]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر ممکن ہو تو اسے دیکھ لے جس کی وجہ سے اس سے نکاح کی رغبت پیدا ہو حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک لڑکی کو پیغام نکاح دیا اور میں نے اس کو چھپ کر دیکھ لیا یہاں تک کہ میں نے اس میں وہ چیز پائی جو نکاح پر رغبت کا سبب بنی پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

مذکورہ نصوص سے پسند کی شادی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اقوال فقہا کی روشنی میں

فقہانے جہاں دیگر مسائل کو زیر بحث لایا ہے وہاں پسند کے نکاح پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

حنفیہ کا موقف

شمس الائمہ سرخسیؒ (م۔۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

وكذلك أن كان أراد أن يتزوجها فلا بأس بأن ينظر أليها[6]

''اور اسی طرح اگر کسی شخص کا کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

امام کاسانیؒ (م۔۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

وكذااذاأرادأن يتزوج أمرأةفلابأس أن ينظرالى وجهها[7]

''اور اسی طرح جو شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس عورت کے چہرے کی طرف دیکھے۔''

مالکیہ کا موقف

قاضی ابو بکر ابن العربی (م۔۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

أباحة النظر الى المراة وقبل الخطبة أذا اراد خطبتها[8]

''جب کسی عورت کو پیغام نکاح کا ارادہ ہو تو خِطبہ کے وقت یا خِطبہ سے پہلے اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔''

علامہ ابن رشد مالکیؒ (م۵۹۵ھ) لکھتے ہیں:

وأما النظر ألي المرأة عندالخطبة فأجاز لك ما ألي الوجه والكفين فقط[9]

5-سلیمان بن اشعث، السنن، (بیروت، المکتبۃ العصریہ، س ن)، ج۲، ص۲۲۸

6-محمد بن احمد السرخسی، المبسوط، (بیروت، دار المعرفت، ۱۴۱۴ھ)، ج ۱۰، ص۱۵۵

7-علاء الدین کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ) ج۵ ص۱۲۲

8-محمد بن عبداللہ، ابن عربی، المسالک فی شرح موطا امام مالک، (دار المغرب الاسلامی، ۱۴۲۸ھ)، ج۵، ص۴۴۲

"اور پیغام نکاح کے وقت عورت کے صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنے کو امام مالک نے جائز قرار دیا ہے"

شوافع کا موقف

امام ابو اسحاق شیرازی (م ۴۷۶ھ)

واذا أراد نكاح أمرأة فله أن ينظر وجهها وكفيها[10]

"اور کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھے۔"

حنابلہ کا موقف

شیخ ابو القاسم عمر بن حسین الخرقیؒ (م ۳۳۴ھ) لکھتے ہیں:

واذا أراد أن يتزوج امراة فلهأن ينظر اليها من غير ان يخلو ا بها[11]

"اور جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو تو خلوت کیے بغیر اس کی طرف دیکھنا جائز ہے۔"

مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے شیخ محمد بن عبداللہ الزرکشیؒ (م ۷۷۲ھ) لکھتے ہیں:

المذهب المعروف المشهور جواز النظر للمخطوبة في الجملة[12]

"حنابلہ کا مشہور مذہب مخطوبہ عورت کی طرف فی الجملۃ جواز نظر کا ہے۔"

بلکہ مخطوبۃ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے میں جمہور فقہا کا اتفاق ہے۔

امام ابن بطالؒ (م ۴۴۹ھ) لکھتے ہیں:

ذهب جمهور العلماء الى أنه لابأس بالنظر الى المراةاذا أراد أن يتزوجها[13]

"جمہور علما اس بات کی طرف گئے ہیں کہ جب کسی عورت کے ساتھ شادی کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

امام نووی شافعیؒ (م ۶۷۶ھ) مخطوبہ عورت کی طرف جواز نظر والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفيه استحباب النظر الى وجه من يريد تزوجها وهو مذهبنا وذهب مالك وابي حنيفة وسائر الكوفيين واحمد وجماهير العلماء[14]

9- ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتهد ونهایۃ المقتصد، (مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ)، ج ۲، ص ۳

10- ابرہیم بن علی شیرازی، المهذب فی فقه الامام الشافعی، (بیروت، دار الشامیہ۔ س ن)، ج ۲، ص ۳

11- عمر بن الحسین خرقی، متن الخرقی علی مذهب ابی عبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی، (دار الصحابہ للتراث، ۱۴۱۳)، ص ۱۰

12- محمد بن عبداللہ الزرکشی، شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی، (دار العبیکان، ۱۴۱۳ھ)، ج ۵، ص ۱۴۳

13- ابو الحسن علی بن خلف، شرح صحیح البخاری لابن بطال، (ریاض، مکتبۃ الرشید، ۱۴۲۳ھ)، جلد ۷، صفحہ ۲۳۶

14- یحی بن شرف نووی، شرح صحیح مسلم، (بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ) ج ۹، ص ۲۱۰

اور اس حدیث میں ہے، عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا اس شخص کے لیے مستحب ہے جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اور یہی مذہب ہمارا (شوافع کا) ہے اور (امام) مالکؒ اور (امام) ابو حنیفہؒ اور تمام کوفہ (کے اہل علم) اور (امام) احمدؒ سمیت جمہور علما کا ہے۔

امام عبدالرحمٰن المقدسی الحنبلیؒ (م ۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:

قال شیخنا لا نعلم بین اهل العلم فی اباحة النظر الی المراة لمن اراد نکاحها خلافا[15]

ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ہمارے علم میں نہیں ہے کہ اہل علم کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہو اس عورت کی طرف دیکھنے کے جواز ہونے کے حوالے سے اس شخص کے لیے جو اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو۔

مذکورہ بالا دلائل اور بحث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دینا اس لیے ہے کہ وہ شخص اپنی مرضی سے شادی کر سکے۔

عورت کے لیے پسند کے نکاح کا جواز

قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ[16]

یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ[17]

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پس وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو"

ان دو آیتوں سے استدلال کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ (م۔ ۱۵۰ھ) نے فرمایا کہ ان آیات میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے اور ولی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ عاقلہ و بالغہ، حرۃ عورت کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔[18]

لہذا جب عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے تو پھر پسند کی شادی کی اجازت تو بطریق اولی معلوم ہو گئی۔

15-عبدالرحمٰن المقدسی، الشرح الکبیر علی متن المقنع، (دار الکتاب العربی، للنشر والتوزیع)، ج ۲، ص ۲۱۰

16-البقرہ ۲: ۲۳۰

17-البقرہ ۲: ۲۳۰

18-کاسانی، البدائع والصنائع، ج ۲، ص ۲۴۸

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

اسی طرح احادیث مبارکہ بھی اس مسئلہ کو واضح کرتی ہیں کہ عورتوں کی پسند کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا نکاح کیا جائے اور بالغہ عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، قِيلَ:يَا رَسُولَ اللهِ،وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: " أَنْ تَسْكُتَ [19]

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ثیبہ (بیوہ) عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ کنواری کا اس کی اجازت کے بغیر، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کنواری کی اجازت کس طرح معلوم ہو سکتی ہے فرمایا کہ اس کا خاموش رہنا یہی اس کی اجازت ہے۔

بلکہ ایک دفعہ حضور ﷺ کے دور مبارک میں ایک عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر ہوا اس نے آپ ﷺ سے عرض کی تو آپ ﷺ نے اس کا نکاح فسخ کر دیا۔

عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذامٍ الأَنْصَارِيَّةِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَاأَنَّ أَبَاهَا، زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا[20]

حضرت خنساء بنت خذام انصاریہؓ کہتی ہیں کہ میرے والد نے ایک جگہ میرا نکاح کر دیا اور میں ثیبہ تھی اور مجھے وہ نکاح منظور نہ تھا تو میں رسول ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے میرا نکاح فسخ کر دیا۔

اسی طرح کی اور روایات بھی موجود ہیں۔ یہ روایات اس بارے میں خوب واضح ہیں کہ عورت کی پسند کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا نکاح کیا جائے۔

اقوال فقہا کی روشنی میں

فقہا نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح مرد کے لیے مخطوبہ عورت کو دیکھنا جائز ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی خاطب (پیغام نکاح دینے والا) کو دیکھنا جائز ہے۔

حنفیہ کا موقف

امام علاؤالدین سمرقندیؒ (م ۵۴۰ھ) لکھتے ہیں:

وكذا يباح للنساء النظر الى الرجال الا فيما بين السرة الى الركبة لان هذا ليس بعورة[21]

19- محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، (بیروت، دار ابن کثیر الیمامہ، ۱۴۰۷ھ)، ج ۶، ص ۲۵۵۶

20- بخاری، الجامع الصحیح، ج ۵، ص ۱۹۷۴

21- محمد بن احمد سمرقندی، ابو بکر، تحفۃ الفقہاء، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ)، ج ۳، ص ۳۳۵

اور اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کی طرف ناف سے گھٹنے کے علاوہ کی طرف دیکھنا مباح ہے۔اس لیے کہ یہ ستر میں شامل نہیں ہے۔

جب اجنبی مرد کے "ما بين السرة الى الركبة" کے ماسوا کی طرف دیکھنا جائز ہے تو پیغام نکاح دینے والے مرد کی طرف دیکھنا بھی جائز ہو گا۔

علامہ شامی حنفیؒ(م ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وهل يحل لها ان تنظر للخاطب معخوف الشهوة لم اره والظاهر :نعم للاشراك فى العلة المذكورة فى الحديث السابق[22]

اور کیا عورت کے لیے حلال ہے کہ وہ پیغام نکاح دینے والے مرد کی طرف شہوت کے خوف کے باوجود دیکھے ؟ظاہری بات یہ ہے کہ ہاں !اس لیے حدیث مذکورۃ سابقہ میں جو علت بیان ہوئی ہے وہ مشترک ہے[23]

مالکیہ کا موقف

علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد الطرابلسی المغربیؒ(م ۹۵۴ھ) لکھتے ہیں:

هل يستحب للمرأة نظر الرجل لم أر فيه نصا للمالكية والظاهر استحبابه وفاقا للشافيعة قالوا يستحب لها ايضا ان تنظر الى وجهه وكفيه[24]

کیا عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ(پیغام نکاح دینے والے) مرد کی طرف دیکھے مالکیہ کے مسلک میں اس پر اس مسئلہ پر کوئی صراحت نہیں پائی مگر بظاہر ان کے نزدیک بھی دیکھنا مستحب ہے شوافع مالکیہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ پیغام نکاح دینے والے مرد کے چہرے اور ہتھیلی کی طرف دیکھے۔

شوافع کا موقف

امام بو اسحاق شیر ازیؒ(م ۴۷۶ھ) لکھتے ہیں:

ويجوز للمراة اذا أرادت أن تتزوج برجل أن تنظر اليه لانه يعجبها من الرجل ما يعجب الرجل منها[25]

22-شامی،حاشیہ ابن عابدین،ج۶،ص ۳۷۰

23-علامہ شامیؒ کا اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے:

قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ امْرَأَةً أَخْطُبُهَا، فَقَالَ:اذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا

ابن ماجہ،محمد بن یزید،السنن،(دار احیاء الکتب العربیہ)،ج۱،ص ۶۰۰

(نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تذکرہ کیا جسے میں نکاح کا پیغام دے رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کی جاؤ اسے دیکھ بھی لو اس لیے کہ یہ تمہاری باہمی محبت کے لیے بہت مناسب ہے۔)

24-شمس الدین مغربی،محمد بن محمد،مواھب الجلیل لشرح مختصر الخلیل،(دار عالم الکتب،۱۴۲۳ھ)ج۵،ص ۲۲

اور جائز ہے عورت کے لیے جب وہ کسی آدمی سے شادی کا ارادہ کرے کہ دیکھے اس کی طرف، اس لیے کہ پسند آئے گی اس کو مرد میں سے وہ چیز جو پسند آتی ہے مرد عورت سے

حنابلہ کا مؤقف

شیخ الاسلام ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

وفی نظر المراۃ الی الرجل روایتان احداھما:یحرم علیھامن ذلک ما یحرم علیه والثانیة:یجوزلھا النظر منه الی مالیس بعورۃ[26]

عورت کا مرد کی طرف دیکھنے میں (امام احمد کی) دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عورت پر مرد کے بدن کا وہ حصہ دیکھنا حرام ہے جو مرد کے لیے عورت کا دیکھنا حرام ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق عورت کا ''ستر'' کے ماسوا دیکھنا جائز ہے۔

اور اسی روایت کو ابن قدامہؒ نے ترجیح دی ہے۔[27]

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے عورت کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ پیغام نکاح دینے والے مرد کو دیکھے تا کہ بعد میں ناپسندیدگی ازدواجی زندگی پر اثر انداز نہ ہو۔

اولیاء کی اجازت کے بغیر گھر سے بھاگ کر کیے گئے نکاح کا جائزہ

اگر کوئی مرد یا عورت گھر سے بھاگ ک شادی کر لیتے ہیں تو شرعاً وہ منعقد ہو گا یا نہیں۔؟

واضح رہے کہ اگر کوئی عورت گھر سے بھاگ کر پسند کی شادی کرتی ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ نکاح اس نے اپنے ''کفو'' میں کیا ہے؟ یا غیر کفو میں؟ اگر وہ نکاح ''غیر کفو'' میں ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ نکاح صحیح نہ ہو گا۔

امام زیلعیؒ (م ۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:

وعن ابی حنیفة وابی یوسف انه؛لایجوزفي غیرالکفءلان کثیرامن الاشیاءلا یمکن دفعه بعدالوقوع واختیاربعض المتاخرین الفتوی بھذہ الروایةلفسادالزمان[28]

امام ابو حنیفہؒ اور امام یوسفؒ سے روایت ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ہے اس لیے کہ بہت سے ایسے معاملات ہیں جن کا نکاح ہو جانے کے بعد حل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بعض متاخرین نے زمانے کے فساد کی وجہ سے اسی روایت پر فتویٰ دیا ہے۔

25-ابو اسحاق شیرازی، المھذب، ج ۲، ص ۳۴

26-عبد اللہ بن احمد، المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل، (بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ)، ج ۷، ص ۴۶۵

27-ابن قدامہ المغنی، ج ۷، ص ۴۶۵

28-فخر الدین زیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، (قاہرہ، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، ۱۳۱۳ھ)، ج ۲۔ ص ۱۱۷

شیخ ابن نجیم مصری(م۔۹۱۰ھ) لکھتے ہیں:

ان كان الزوج كفوا نفذ نكاحها والا فلم ينعقد اصلا وفى المعراج معزيا الى قاضى خان وغيره والمختار للفتوىٰ في زماننا[29]

اگر عورت کا شوہر اس کے ہم پلہ ہو تو اس کا نکاح ہو جائے گا اگر ایسا نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہو گا معراج میں قاضی خان اور اس کے علاوہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے۔اور ہمارے زمانے میں یہی قول پسندیدہ ہے۔

علامہ حصکفیؒ(م۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

ويفتى فى غير الكفو بعدم جوازه وهوالمختار للفتوى لفساد الزمان[30]

"عورت کا غیر کفو میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔"

اگر لڑکی کے اولیا اس نکاح سے راضی ہوں تو وہ نکاح صحیح ہو گا۔[31]

لیکن اگر گھر سے بھاگ کر کیا ہوا نکاح غیر کفو میں ہو تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور دیگر اہل علم کے نزدیک اس قسم کا نکاح جائز ہے۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ(م۵۳۵ھ) لکھتے ہیں:

وقال ابو حنيفة وزفر والشعبى والزهرى :اذا عقدت المراة نكاحها بغير ولى كان كفوا جاز[32]

اور امام ابو حنیفہؒ،زفر، شعبیؒ،زہریؒ نے کہا کہ جب عورت نے اپنا نکاح ولی کی اجازت بغیر نکاح کیا اگر وہ نکاح کفو میں ہو تو وہ نکاح جائز ہو گا۔

مگر جمہور فقہا کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک اس قسم کا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا جائے وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہو گا۔

علامہ ابن شدؒ لکھتے ہیں:

فذهب مالك الى انه لا يكون النكاح الا بولى وانها شرط فى الصحة فى روايةاشهب عنه[33]

امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا نکاح کی صحت کے لیے ولی کی اجازت شرط ہے۔

29-ابن نجیم،زین الدین ابراہیم،البحر الرائق شرح کنز الدقائق،(دار الکتاب الاسلامی)،ج۳،ص۱۱۸

30-در مختار،ج۳،ص ۵۷

31- شیخ نظام وجماعة من علماء الھند، فتاوی عالمگیری،(بیروت،دار لفکر،۱۴۱۱ھ)ج۱،ص ۲۳۹

32-محمد بن احمد،ابن رشد،بدایۃ المجتھد ونہایۃ المقتصد،(مصر، مصطفی البابی الحلبی واولادہ،۱۳۷۵)،ج۲،ص۸

33-ابن رشد،بدایۃ المجتھد،ج۷،ص۸

اور دیگر جمہور فقہا کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کسی عورت نے ایسا کر لیا تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

جمہور فقہا کے مؤقف کو نقل کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (م ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

ذهب سعيد ابن مسيب والحسن و عمرا بن عبدالعزيز وجابرابن زيد والثوری وابن ابی ليلیٰ وابن شبرمه ابن المبارک وعبيدالله العنبری والشافعی واسحاق وابو عبيد وروی عن ابن سيرين والقاسم بن محمد والحسن بن صالح وابی صالح وابی يوسف لايجوز لها ذلک بغير اذن الولی فان فعلت كان موقوفاً علی اجازته[34]

اور جمہور فقہا کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے اگر اس نے ایسا کیا تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ جمہور فقہا کے نزدیک اولیا کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود اپنا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

غیرت کے نام پر قتل

جس عورت یا مرد نے پسند کی شادی کی ہو ان کو غیرت کے نام پر قتل نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ آئے دن اخبارات میں آتا ہے کہ پسند کی شادی کرنے والے جوڑے کو قتل کر دیا گیا۔

غیرت کا مفہوم

غیرت قلبی کیفیت کی تبدیلی اور غصہ کی وجہ سے طبیعت کے تغیر کا نام ہے جس کا سبب عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کو انسان اپنے ساتھ خاص سمجھتا ہے جب اس میں کسی دوسرے فریق کی مداخلت یا شرکت دیکھتا ہے تو اس کے اوپر غیض وغضب کے اثرات طاری ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی کسی تیسرے فرد میں دلچسپی ناگوار محسوس کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات نوبت لڑائی جھگڑے سے آگے بڑھ جاتی ہے۔

قاضی عیاضؒ (م۔ ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

الغيرة مشتقة من تغير القلب وهيجان الغضب بسبب المشاركة فيما به الاختصاص واشد مايكون ذلك بين الزوجين[35]

غیرت دل کی کیفیت کی تبدیلی اور غصہ کے باعث ہیجانی حالت ہونے کو کہتے ہیں جس کا سبب کسی کی ایسی چیز میں شراکت ہوتا ہے جس کو آدمی اپنے ساتھ خاص سمجھتا ہے۔ اور یہ کیفیت زوجین میں شدید تر ہوتی ہے۔

34-ابن قدامہ، المغنی، ج۷، ص ۳۳۷

35-عینی بدر الدین، محمود بن احمد، عمدۃ القاری، (بیروت، داراحیاء التراث العربی، س ن)، ج ۲۰، ص ۲۰۵

امام بدرالدین عینیؒ (م ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

معنی الغیرة تغیر القلب وهیجان الغضب بسبب المشارکة فی الاختصاص من احد الزوجین بالاخر[36]

غیرت کا مفہوم دل کا متغیر ہونا اور غصے کی وجہ سے ہیجانی کیفیت کا طاری ہونا جس کا سبب ایسی چیز میں شرکت جس کو زوجین میں سے ایک دوسرے کے ساتھ خاص سمجھتا ہے۔

ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

اذا لغیرة فی الاصل ان یکره ویغضب الرجل ان یتصرف غیره فی ملکته[37]

غیرت اصل میں اس ناگواری اور غصے کی حالت کو کہتے ہیں جب کوئی شخص کسی انسان کی ملکیت میں تصرف کرتا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کی غیرت کا تذکرہ حدیث میں ملتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

فقال اتعجبون من غیرة سعد لانا اغیر منه والله اغیر منی[38]

''تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو، میں اس سے زیادہ باغیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ باغیرت ہیں۔''

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

والله ما من اغیر من الله[39]

اللہ کی قسم اللہ جل جلالہ سے زیادہ کسی کو غیرت نہیں ہے

ایک اور حدیث میں ہے:

ما من أحد أغیر من الله من أجل ذلك حرم الفواحش وما أحد أحب إلیه المدح من الله[40]

''تم میں سے کوئی شخص اللہ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے اسی لیے اللہ نے برے کاموں کو حرام کر دیا اور اللہ سے زیادہ کوئی اپنی تعریف پسند کرنے والا نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

هذا تفسیر لغیرة الله۔تعالی۔بمعنی انه منع الناس عن المحرمات ورتب علیها العقوبات[41]

36-ایضاً، ج ۲۰، ص ۲۰۵

37- علی بن سلطان محمد، ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، (بیروت، دار لفکر، ۱۴۲۲ھ)، ج ۵، ص ۲۱۶۴

38-بخاری، ج ۷، ص ۳۵

39-مالک بن انس، الموطا، (موسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۲ھ)، ج ۱، ص ۲۳۶

40-بخاری، ج ۷، ص ۳۵

41-ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج ۵، ص ۲۱۶۴

یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی تفسیر ہے۔اس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو محرمات سے منع کیااوران کے ارتکاب پر سزائیں مقرر کیں۔

غیرت انسانی کی حکمت شرعی بیان کرتے ہوئے امام غزالیؒ (م۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

وانما شرعت الغيرة لحفظ الانساب وهو من مقاصد الشريعة ،ولو تسامح الناس بذلك لاختلطت الانساب ،لذا قيل :كل امة وضعت الغيرة فى رجالها وضعت الصيانة فى نسائها[42]

اور بے شک غیرت نسب کی حفاظت کے لیے کو مشروع کیا گیا ہے اور نسب کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے۔ اگر ایسے معاملات میں کوتاہی کرنے لگیں تو نسب مخلوط ہو جائیں گے۔اس لیے یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر امت کے مردوں میں غیرت رکھی گئی ہے اور عورتوں میں اپنی حفاظت کرنے کا عمل رکھا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ غیرت ایک قابل تحسین اور پسندیدہ عمل ہے جو شرعاً مطلوب ہے اور اس جذبہ کو شریعت کے مقررہ دائرہ میں رہنا چاہیے۔اگر غیرت کے نام پر ایسے اقدامات کیے جائیں جو شرعاً ممنوع ہوں تو وہ غیرت نہیں بلکہ معصیت کہلائے گی۔ جیسا کہ عرب میں غیرت کے نام پر بچیوں کو زندہ در گور کرنے کا رواج تھا جب اسلام آیا تو اس نے اس رسم قبیح کا خاتمہ کیا۔

عصر حاضر میں پسند کی شادی کرنے والے کو جس غیرت کے نام پر قتل کیا جاتا ہے وہ بھی شرعاً ممنوع ہے اس لیے کہ شریعت اسلامیہ میں کسی بھی مسلمان کا قتل تین وجوہات میں سے کسی ایک کے پائے جانے کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ "[43]

کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے مگر تین وجوہات میں سے کوئی ایک پائی جائے،وہ یہ ہیں۔شادی شدہ مرد بدکاری کرلے، قصاص کی صورت میں،اور جو مرتد ہو جائے یعنی دین اسلام کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔

بدکاری کی سزا

زنا کی سزا سابقہ امتوں میں سنگساری تھی مگر ہماری شریعت میں یہ سزا صرف شادی شدہ زانی کے لیے رکھی گئی ہے[44] اور غیر شادی شدہ زانی کے لیے سو کوڑے تجویز کیے گئے ہیں۔[45]

42- احیاء علوم الدین غزالی ،ج۳،ص۱۳۸،بحوالہ ،الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ،(وزارت الاوقاف والشؤن الاسلامیہ،الکویت،۱۴۲۷ھ)،ج۳۱،ص ۳۴۰

43- محمد بن عیسیٰ ترمذی،السنن،(بیروت،داراحیاءالتراث العربی،س ن)،ج ۴،ص۱۹

44- بخاری،الجامع الصحیح،ج۵،ص۲۰۲۰

45- النور۲۴:۲

حدزناکی شرائط

واضح رہے کہ ''رجم'' کی سزاکے لیے ''احصان'' شرط ہے۔
یعنی وہ شخص:

ا۔عاقل ہو

۲۔ بالغ ہو

۳۔ مسلمان ہو

۴۔آزادہو

۵۔نکاح صحیح کے بعداپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرچکاہو۔

جس میں یہ مذکورہ بالاصفات پائی جاتی ہوں وہ شخص'' محسن'' کہلائے گااوراگروہ زناکامرتکب ہوجائے تواس کو''رجم'' کیاجائے گا۔[46] مگراس حد کے نفاذکے لیے ضروری ہے کہ یاتووہ خوداپنے جرم کااقرارکرے،اس میں پھرائمہ کا اختلاف ہے،امام شافعیؒ ورامام مالکؒ کے نزدیک حد کے جاری ہونے کے لیے زانی کاصرف ایک مرتبہ اقرارکرناکافی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ،ابن ابی لیلیٰؒ اور دیگراہل علم کے نزدیک زانی کاچارمرتبہ اقرارکرناضروری ہے۔[47] یاچارعادل مسلمان،آزادمرد گواہ اس کے فعل کواس طرح بیان کریں کہ کسی قسم کااشتباہ نہ رہے جسے فقہا''کالمیل فی المکحلة'' سے تعبیر کرتے ہیں۔[48]

امام مالکؒ کے نزدیک اگرکسی کنواری عورت کوحمل ہوجائے،یاایسی عورت کوجس کاشوہراس سے دورہے تو یہ ''حمل'' بھی ثبوت زناکاذریعہ ہےاس پرحد جاری ہوگی،مگرحنفیہ کے نزدیک محض حمل کی وجہ سے کسی عورت پرحد نہیں جاری کی جاسکتی اس لیے کہ عین ممکن ہے اس کے ساتھ کسی نے زیادتی کی ہو۔تاہم اگروہ اپنے جرم کااعتراف کرلے تو پھر اس پرحد جاری ہوگی[49] لیکن اگرکسی عوت کے ساتھ زبردستی بدکاری گئی توتمام اہل علم کااتفاق ہے کہ اس پرحد جاری نہیں ہوگی[50]

46-کاسانی،بدائع والصنائع،ج۷،ص۳۷

47-ابن رشد،بدایۃالمجتھد،ج۲،ص ۴۳۸

48-وھبہ زحیلی،الدکتور،الفقہ الاسلامی ادلتہ،(دمشق،دارالفکر،س ن)،ج۷،ص ۳۱۴

49-ابن رشد،بدایۃالمجتھد،ج۲،ص ۴۳۸۔وھبہ الزحیلی،الدکتور،الفقہ الاسلامی وادلتہ،ج۷ص ۳۱۴۔۳۱۵

50-ابن رشد،بدایۃ المجتھد،ج۲،ص۴۴۰

قصاص

سابقہ امتوں پر قتل عمد میں قصاص ہی متعین تھا، جبکہ ہماری شریعت میں ''قتل عمد'' میں متعین طور پر قصاص واجب نہیں کیا بلکہ اس میں معافی اور دیت کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔ چناچہ قصاص کا حکم بیان کرتے ہوئے اللہ تعالٰی نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى[51]

اے ایمان والو قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ[52]

ہاں کس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل میں قصاص تھا دیت کا دستور نہ تھا[53]

ہماری شریعت میں جو دیت کی گنجائش رکھی گئی ہے وہ گزشتہ امتوں کے لحاظ سے تخفیف ہے۔

مرتد کی تعریف

جو شخص کفریہ کام کرکے یا استہزاً، یا عناداً کفریہ کلمات منہ سے نکال کر دین اسلام سے کفر کی طرف پھر جائے تو وہ ''مرتد'' کہلاتا ہے۔ مثلاً وہ خدا تعالٰی کا انکار کردے یا رسولوں کی نفی کردے یا رسولوں کو جھٹلا دے، یا ایسی چیز کو حلال جانے جس کی حرمت پر اجماع ہے۔ مثلاً بدکاری اور شراب نوشی کو حلال سمجھے، یا ایسی چیز کو حرام قرار دے جس کے حلال ہونے پر اجماع ہے مثلاً نکاح وغیرہ یا فرض نمازوں کی مقررہ رکعتوں کی نفی کرے یا قرآن مجید یا حدیث مبارکہ کی کتابوں کی توہین کرتے ہوئے (العیاذ باللہ) انہیں گندگی میں ڈالے تو وہ شخص مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔[54]

مرتد کے قتل پر اہل علم کا اتفاق

حضور ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے جو قبائل مرتد ہو گئے تھے صحابہؓ کا ان کے قتل پر اجماع ہوا تھا۔[55]

51- البقرہ ۲: ۱۷۸

52- البقرہ ۲: ۱۷۸

53- بخاری، الجامع الصحیح، ج ۶، ص ۲۵۲۳

54- زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷ ص ۵۱۰

55- کاسانی، بدائع والصنائع، ج ۷، ص ۱۳۴

لہذا جب عاقل و بالغ مرتد نے اپنے ارتداد سے توبہ نہ کی اور اس کا ارتداد اس کے اقرار یا گواہی کے ساتھ ثابت رہا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ تمام اہل علم کا مرتد کے قتل کے وجوب پر اتفاق ہے۔[56]

اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من بدل دینه فاقتلوه[57]

جو شخص اپنے دین کو تبدیل کر لے اس کو قتل کر دو۔

ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ "[58]

کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے مگر تین وجوہات میں سے کوئی ایک پائی جائے، وہ یہ ہیں۔ شادی شدہ مرد بدکاری کرلے، قصاص کی صورت میں، جو مرتد ہو جائے یعنی دین اسلام کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ ہو جائے۔

لیکن اگر عورت مرتدہ ہو تو اس میں اختلاف ہے جمہور فقہا کے نزدیک اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا تھا:

ایما ارتد رجل عن الاسلام فادعه فان عاد والا فاضرب عنقه وایما امراة ارتدت عن الاسلام فدعها فان عادت والا فاضرب عنقها[59]

جو شخص اسلام سے پھر جائے اس کو قبول اسلام کی دعوت دینا اگر وہ لوٹ آئے تو صحیح و گرنہ اس کی گردن مار دینا اور جو کوئی عورت اسلام سے پھر جائے اس کو بھی دعوت دینا اگر لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اس کی بھی گردن مار دینا۔

مگر حنفیہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اس کو قید میں رکھ کے اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے یا وہیں قید میں مر جائے۔ حنفیہ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان:

نہی عن قتل النساء[60]

آپ ﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

چونکہ حنفیہ کے نزدیک مرتد کا قتل فساد کے ''شر'' کو دفع کرنے کے لیے ہے نا کہ اس کے کفر کے سبب سے، لہذا جہاں سے فساد کا اندیشہ ہے وہاں قتل کرنا خاص ہو گا اور وہ مرد کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ عورت کی طرف سے

56-زحیلی، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷ ص ۵۰۴

57-احمد بن شعیب نسائی، ابوعبدالرحمٰن، السنن، (حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء)۔ ج ۷، ص ۱۰۴

58-ترمذی، ج ۴، ص ۱۹

59-احمد بن علی ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح بخاری، (بیروت، دار المعرفہ، ۱۳۷۹)، ج ۱۲، ص ۲۷۲

60-احمد بن حنبل، امام، مسند، (بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ)، ج ۱۰، ص ۵۰۶

،اس مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اور جمہور فقہا کے نزدیک مرتدہ کے مباح الدم ہونے کی علت "کفر" ہے اس لیے اسے قتل کیا جائے گا[61]

تاہم حنفیہ کے نزدیک مرتد کو قتل کرنے سے پہلے توبہ پر آمادہ کرنا مستحب ہے اور اس احتمال کے ساتھ اسلام پیش کرنا کہ شاید وہ اسلام لے آئے یہ مستحب ہے مگر واجب نہیں ہے۔اس لیے کہ اسلام کی دعوت تو اس کو پہنچ چکی ہے مگر جمہور فقہا کے نزدیک مرتد پر اسلام پیش کرنا واجب ہے، اگر وہ اسلام لے آئے تو اسے خوش آمدید کہا جائے گا اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو امام وقت غور و فکر کرے اگر اس کے توبہ کرنے کی امید ہو یا سوچ و بچار کے لیے مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اور اس کی توبہ کی امید نہ ہو تو اور نہ وہ مہلت کا سوال کرے تو اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔[62]

ارتداد کی شرائط

۱۔عاقل ہو۔(مجنون اور غیر عاقل بچے کے ارتداد کا اعتبار نہ ہو گا۔)

۲۔بالغ ہو۔

۳۔ایسا نشہ نہ کیا ہو کہ جس سے عقل زائل ہو جائے اور اس حالت میں اس کی طرف سے ارتداد پایا جائے۔

۴۔ارتداد کے لیے مجبور نہ کیا گیا ہو،اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ مجبور کے ارتداد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جب کہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔[63]

معلوم ہوا صرف تین باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کے بعد قتل واجب ہو جاتا ہے۔اور یہ بھی عدالت اور حکومت وقت کا کام ہے۔عام آدمی کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی بھی انسان کو قتل کرے۔لہذا پسند کی شادی کرنے والی عورت کا قتل از روئے شریعت ناجائز اور حرام ہے۔

واضح رہے کہ اولیا کی اجازت کے بغیر گھر سے بھاگ کر کیا ہوا نکاح شریعت اور معاشرے کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے،اس لیے کہ شریعت نے جہاں نکاح میں عورت کی پسند اور ناپسند کو ملحوظ رکھا ہے وہاں ساتھ راستہ بھی بتادیا کہ تمام معاملات اولیاء کے ہاتھوں سر انجام ہوں،اسلام نے جہاں اس بات کی اجازت دی کہ ایک مسلمان خاتون کا نکاح بلا تمیز رنگ و نسل، عقل و شکل اور مال وجاہت ہر مسلمان کے ساتھ جائز ہے وہاں اس نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ اس عقد سے متاثر ہونے والے اہم ترین افراد کی رضامندی کے بغیر بے جوڑ نکاح نہ کیا جائے تاکہ اس عقد کے نتیجے میں تلخیوں لڑائی جھگڑوں کا طوفان برپا نہ ہو جائے۔

61-زحیلی،الفقہ الاسلامی وادلتہ،ج۷،ص۵۰۶۔۵۰۷

62-کاسانی،بدائع والصنائع،ج۷،ص ۱۳۴

63-ابن نجیم،البحر الرائق،ج۵،ص ۱۲۹

اور یہ بات خلاف عقل بھی ہے کہ اولیاء کو اعتماد میں لے کر قدم اٹھایا جائے، اس لیے کہ جب اولاد جذبات میں آکر کوئی فیصلہ کرتی ہے اور قدم اٹھاتی ہے تو وہ اس سے قطع نظر کر لیتی ہے کہ ان کے والدین کا بھی ان پر کوئی حق ہے ، جنہوں نے ان کو پالا پوسا اور ان کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ حسب توفیق زیور تعلیم اور فن وہنر سے آراستہ کیا، ان کی رضامندی میں اپنی خوشی کو تلاش کرنے کے بجائے الٹا ان کو مجرموں کی طرح گلی و محلہ سے منہ چھپا کر نکلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ کیا ان کی محبتوں و شفقتوں کا یہی صلہ ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کا لایا ہوا دین پیدائش سے موت تک کی زندگی کے تمام مراحل اور گوشوں کے حوالے سے نہایت جامع اور تفصیلی ہدایات رکھتا ہے جس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سعادتیں اور کامیابیاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ آپ ﷺ نے انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا، عدل و انصاف کا قانون جاری کیا۔

عورت کو آزاد و خود مختار بنایا لیکن جیسے عورت کو اس کے حقوق مناسبہ نہ دینا ظلم وجور اور قساوت وشقاوت ہے اسی طرح ان کو بلکل کھلی چھٹی دے دینا اور مردوں کی نگرانی وسیادت سے آزاد کر دینا یہ تو پورے انسانی معاشرہ کے لیے خطرہ عظیم ہے جس سے فساد وخون ریزی اور طرح طرح کے فتنوں کا پیدا ہونا لازمی ہے جیسا کہ آئے دن اخبارات میں اس قسم کے واقعات سامنے آرہے ہیں۔

اس لیے قرآن حکیم نے عورتوں کے حقوق واجبہ کے بیان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ[64]

"اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔"

مردوں کو عورتوں پر اخلاقی، مالی، جسمانی، حکمرانی کی حیثیت سے فضیلت حاصل ہے اور مرد عورتوں کے سردار نگران اور ذمہ دار ہیں اور جب عورتیں مردوں کی نگرانی وسیادت سے آزاد ہوتیں ہیں تو ایسے ایسے نتائج بد سامنے آتے ہیں کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔ نکاح و شادی وغیرہ کے مسئلہ میں شریعت کا منشا یہ ہے کہ یہ امور عورت کے اولیاء اور سرپرست انجام دیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ[65]

"اور نکاح کرادیا کرو تم لوگ ان کے جو تم میں بے نکاح ہوں۔"

64-البقرہ۲ :۲۲۸

65-النور۲۴: ۳۲

مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> آیت مذکورہ کے طرز خطاب سے اتنی بات تو ائمہ اربعہ فقہا سے ثابت ہوتی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لیے کوئی مرد یا عورت بلاواسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاوسرپرستوں کے واسطے سے یہ کام سرانجام دے اس میں دین و دنیا کے بہت سے مصالح اوار فوائد ہیں بالخصوص لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں یہ ایک قسم کی بے حیائی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض روایات احادیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلاواسطہ ولی کے کرنے سے روکا گیا[66]

معلوم ہوا کہ مرد عورت کو اپنے اولیاء کی وساطت سے امور نکاح کو سرانجام دینا چاہیے۔

خلاصہ بحث

شریعت اسلامیہ اعتدال سے مزین ہے۔اس کے تمام احکام افراط و تفریط سے پاک انسان کے فطری جذبات وخواہشات کی رعایت کے ساتھ تعدی اور حد سے تجاوز کی ممانعت کے اصول پر دائر ہیں اس لیے جب ایک طرف انسان کو ناجائز شہوت رانی سے سختی سے منع کیا گیا ہے تو ضروری تھا کہ فطری جذبات وخواہشات کی رعایت سے اس کا کوئی جائز اور صحیح طریقہ بھی بتلایا جائے اسی کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔

نکاح کے معاملہ میں شریعت نے مرد وعورت کو پسند اور ناپسند کا پورا اختیار دیا ایک طرف اولیا کو جبر و سختی سے کام لینے سے منع کیا تو دوسری طرف مرد وعورت کو بھی ترغیب دی کہ وہ اولیا کو اعتماد میں لے کر کوئی قدم اٹھائیں۔تاکہ آپس کے جھگڑوں سے معاشرتی امن وسکون متاثر نہ ہو۔تاہم اگر کوئی مرد وعورت اپنی پسند سے شادی کرلیں تو انہیں غیرت کے نام پر قتل کرنا درست نہیں ہے۔

66- محمد شفیع، عثمانی، معارف القرآن، (کراچی، ادارۃ المعارف، ۲۰۰۵)، ج۲، ص ۴۱۱